آیت اللہ شہید بہشتی وشہید باہنر

اسلام میں توحید کا تصور

توحید ذات:

توحید ایک انقلابی تصور اور عقیدہ ہے جس کے مطابق اس پوری کائنات بسیط کا مالک وخالق ایک ہے جس کی حکومت اور قدرت لامحدود ہے۔ وہی خالق مطلق اور قادر مطلق ہے جو پوری کائنات کا رب ہے۔قرآن میں ارشاد ہوا" (اے رسول) کہہ دو کہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا، نہ اسے کسی نے جنا اور اس کا کوئی ہمسر نہیں۔" (سورہ توحید)

اللہ کے بے مثل ہونے کے معنی:

تمام مفکرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ کے بے مثل ہونے سے مراد وہی توحید ذاتی ہے جس کی جانب فلسفہ وعرفان میں توجہ دی گئی ہے۔

توحید ذاتی کو ان الفاظ میں سمجھا جاسکتا ہے:

جب ہم خداوند متعال کے بارے میں کہتے ہیں کہ" وہ ایک ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ایسا ایک ہے جس کا کسی عدد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔یعنی وہ ایک بے مثل ذات ہے جسے اعداد وشمار میں محدود نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ اس کا ایک ہونا اگر عددی اعتبار سے ہوتا تو ایک کے بعد دوسرے کا تصور ضرور ذہن میں آتا، لہٰذا اس کی یکتائی اس کی ذات میں مضمر ہے اور توحید اس کی ذات کا ایک جز ولاینفک ہے۔ اس طرح اس کی توحید کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کا صحیح تصور ہمارے ذہنوں میں موجود ہو۔ اگر ہم کماحقہ اس کے صحیح معنی سے واقف

ہو جائیں تو اپنے آپ اس نتیجے پر پہنچ جائیں گے کہ خدا ایک ہے اور اس کی توحید اعداد وشمار پر مشتمل نہیں ہے کیونکہ اس کی ذات دو عدد یا تین عدد ہونے سے مطابقت نہیں رکھتی۔

فرض کیجئے کہ ہم فضا میں ایک لکیر کھینچیں اور اسے دونوں جانب اتنا طول دیں جس کی کوئی حد نہ ہو پھر اسی کے متوازی Parallel ایک اور خط کھینچیں اور فرض کریں کہ دونوں جانب اس کی لمبائی بھی لامحدود ہو اور اس کا پہلے خط سے ایک میٹر کا فاصلہ ہو۔ کیا ان دو خطوط کے ایک دوسرے سے ایک میٹر کے فاصلے پر واقع ہونے میں ہمیں کوئی دشواری نظر آتی ہے؟ ہر گز نہیں۔ اسی وجہ سے متوازی خطوط کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے۔ کہ "دو خطوط کو اس وقت متوازی کہا جائے گا جیسے ان پر واقع ان تمام نقطوں کا فاصلہ جو ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوں مساوی ہو۔ یہ دونوں خطوط خواہ لامحدود ہی کیوں نہ ہوں، یہ کبھی ایک دوسرے سے نہیں ملیں گے۔

اب ہم ایک ایسا جسم فرض کریں جو ہمارے سامنے موجود ہے اور اپنے تمام اطراف یعنی لمبائی چوڑائی، اور اونچائی میں پھیل جاتا ہے اور ہر طرف بے حد وحساب پھیلتا ہی چلا جاتا ہے؟ کیا اسکے بالمقابل ہم ایک دوسرا جسم بھی فرض کرسکتے ہیں جو لامحدود طور پر پھیلا ہوا ہو؟ ہر گز نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ جو پہلا جسم ہم نے فرض کیا ہے ہمارا وہی فرض فضا کو پر کردیتا ہے اور کسی دوسرے محدود یا لامحدود جسم کے لئے جگہ باقی نہیں چھوڑتا۔ ماسوا اس صورت کے کہ دوسرا جسم خود پہلے جسم میں حلول کر جائے۔ لیکن کیا ایک جسم کا دوسرے جسم میں حلول کرجانا ممکن ہے؟ لہذا ہم فضائے بسیط میں دو ایسے اجسام تصور نہیں کرسکتے جو ہر طرف سے لامحدود ہوں بلکہ جو جسم فضا میں موجود فرض کیا جائے گا وہ پہلا جسم ہی ہوگا۔

جو کچھ اوپر کہا گیا وہ ایک لامحدود جسم کو فرض کرتے ہوئے کہا گیا ہے۔ جس کا فرض کرنا خود بخود ایک دوسرے لامحدود جسم کے فرض کرنے کی نفی کرتا ہے لیکن اس پہلے جسم کا فرض کرنا کسی ایسی لامحدود چیز کی موجودگی کی نفی نہیں کرتا جو جسم نہ رکھتی ہو۔ مثلاً لامحدود روح)

اور لامحدود جسم میں حلول کر گئی ہو۔

اب معائی کو ایک ایسی چیز کے بارے میں وسعت دیجئے جو ہر اس سمت اور ان تمام سمتوں میں جو ایک وجود رکھنے والی چیز کے لئے فرض کی جاتی ہیں لامحدود ہو۔ کیا ایک ایسی چیز کے دو یا کئی حصے فرض کئے جاسکتے ہیں؟ ہرگز نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اس کے دو حصے فرض کئے جائیں تو ان میں سے ایک حصے کو دوسرے سے جدا ہونا چاہئے اور اس بنا پر ان میں سے ہر ایک حصہ دوسرے کی حد ہوگا اور اس بنا پر ان میں سے کوئی بھی لامحدود نہ رہے گا۔ پس خداوند متعال کی ذات بے مثل و بے ہمتا ہے اور وہ ایک ایسی ذات ہے جو اصولاً دو یا چند حصوں میں تقسیم نہیں ہوسکتی۔

خدا شناسی کی راہ میں ایک قدم آگے:

اب تک ہم اپنی دوررس قوت شناخت کی بدولت اس قابل ہوئے ہیں کہ خالق کی ہستی کے یکتا و بے مثل ہونے کی حقیقت سے آگاہ ہوسکیں اور یہ سمجھ سکیں کہ اسی ذات ہستی کا سرچشمہ اور ہمیں ہستی بخشنے والی ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا انسان کے لئے اللہ کے بارے میں سوجھ بوجھ کی یہ آخری حد ہے یا وہ اتنی قدرت رکھتا ہے کہ خدا شناسی کے سلسلے میں ایک قدم آگے بڑھائے اور ہستی کے اس سرچشمے کے بارے میں مزید علم حاصل کرے۔

بعض مفکرین کی رائے ہے کہ ''مبدا شناسی'' کے سلسلے میں انسان کی رسائی فقط ایک شناخت'' تک ہے اور وہ بھی یہ کہ ''دنیا کا ایک مبدا'' اور ہستی کا ایک سرچشمہ ہے۔'' لیکن اس مبداء کے بارے میں کوئی شناخت یا سمجھ بوجھ انسانی دسترس سے باہر کی چیز ہے۔ ان مفکرین کے مطابق ہر وہ نام اور ہر وہ صفت جو خالق کی توضیح کے لئے استعمال کی جائے اگر اس کا مفہوم اور معانی اس شناخت سے پیش تر ہوں تو وہ نام اور صفت اس لحاظ سے ''اس'' سے مکمل طور پر بیگانہ ہوگی اور عین ممکن ہے کہ وہ ''مبداء شناسی'' کے سلسلے میں انسان کو غلط راستے پر

ڈال دے۔ اس نظریہ کے مطابق ''مبداء شناسی'' کی بلند ترین منزل بس یہی ہے کہ:

''میں جانتا ہوں کہ وہ ہے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ انسان کی سوجھ بوجھ سے بالاتر ہے۔''

اے برتر از خیال وقیاس وگمان ووہم

وزہر چہ گفتہ اند وشنیدیم وخواندہ ایم

(اے وہ ذات جو خیال، قیاس، گمان اور وہم سے اوراس کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے اور جو کچھ ہم نے پڑھا اور سنا ہے اس سے برتر ہے)

لہٰذا ''مبداء شناسی'' مبداء کے وجود کا یقین ہوجانے کے بعد فقط ایک سمت میں آگے بڑھتی ہے اور وہ سمت یہ ہے کہ اسے ان تمام مفاہیم سے جو ہمارے ذہن کے ساختہ وپرداختہ ہیں برتر سمجھا جائے۔

ان مفکرین کے نظریہ کی قدر وقیمت:

جو نظریہ ان اہل دانش نے پیش کیا ہے وہ اس لحاظ سے بہت پرکشش اور قابل قدر ہے کہ وہ خداوند عالم کی ذات کو ان بے جا اور موہوم خیالات سے برتر اور مبرا قرار دیتا ہے جو خداشناسی کے سلسلے میں انسان میں سماگئے ہیں لیکن اگر اس نظریہ کو حقیقت پسندی کی کسوٹی پر پرکھا جائے تو پتہ چلے گا کہ ان دانشوروں کا جھکاؤ افراط کی جانب ہے کیونکہ اگر انسان ''خداشناسی'' کے بارے میں اتنا بے بس ہو کہ اسے فقط ''وہ'' یا ''ھو'' کے لفظ یعنی ''ابہام مطلق'' سے یاد کرتا ہو تو پھر اسے اس ذات کے ''واقعی ہونے'' کا علم کیونکر ہوا! ؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان ممتاز مفکرین نے جنھوں نے مذکورہ بالا نظریہ پیش کیا ہے کامل او رہمہ جانب شناخت کو اضافی شناخت سے خلط ملط کردیا ہے۔ممکن ہے کہ کسی چیز میں ایسی متعدد علامات ہوں، جو ہماری سوجھ بوجھ کے مطابق، اسے دوسری چیزوں سے ممتاز کرتی ہوں۔ اس صورت میں ہم اس چیز کی جس خصوصیت سے آگاہ ہوں اس کے ذریعے ہم اسے دوسری چیزوں سے

الگ پہچان سکتے ہیں ۔محض خدائے تعالیٰ کے بارے میں نہیں بلکہ دوسری چیزوں کے بارے میں بھی ہمارا قاعدہ یہی ہے۔ اگر آپ کے دو بیٹے ہوں تو آپ انہیں بڑی آسانی سے ایک دوسرے سے الگ پہچان سکتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ کیا آپ ان کی تمام جسمانی اور روحانی خصوصیات سے واقف ہیں؟

لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ کی شناخت سے مراد اس کی کامل پہچان ہو تو ہمیں یہ اعتراف کرلینا چاہئے کہ اس قسم کی پہچان انسان کے بس کے باہر کی چیز ہے اور اس کا ذھن اس معاملے میں عاجز ہے۔

(اگر گھاس پھوس سمندر کی تہہ تک پہنچ سکتی ہے تو عقل بھی اس کی یعنی خدائے تعالیٰ کی اصل تک رسائی حاصل کرسکتی ہے؟)

اور اگر بات کسی ایک یا چند جہات میں پہچان کی ہو تب البتہ انسان کے لئے لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں اس قسم کی سوجھ بوجھ رکھتا ہو تا کہ وہ اس کے وجود کو سمجھ سکے اور اصولاً اس طرح کے علم کے بغیر خدا کے بارے میں گفتگو ہی بے معنی ہے۔

لہٰذا خدا کی کامل معرفت سے عجز کا اعتراف کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہم اس حقیقت کی ہر قسم کی شناخت سے معذوری کا اظہار کریں۔ ''شناخت مطلق'' اور'' مطلق بے شناختی'' کے درمیان ایک وسطی حد بلکہ کئی وسطی حدیں ہیں جن کے معنی یہ ہیں کہ ہم اسے کئی جانب سے جان سکتے ہیں۔

انسان کے علم اور اس علم کی قدر و قیمت کے حدود کے بارے میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس جہان طبیعت کے بارے میں بھی اس کے علم کی حیثیت مطلق یعنی ''طبیعت کے اصل کی پہچان'' کی نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ موجودہ دور کی سائنٹفک فطرت شناسی اصولی طور پر چیزوں کی ذات اور جوہر پہچاننے کی بجائے مظاہر کی پہچان پر توجہ دیتی ہے ۔ مبداء شناسی کے سلسلے میں بھی انہی حدود میں رہ کر مطالعہ کرنا مقصود ہے۔

لہٰذا ایک باشعور انسان ذات خدا کے بارے میں غور وفکر کرتا ہے تو صدق وصفائی سے کہہ اٹھتا ہے کہ:

"ندانم چہ ای" "ہر چہ ہستی توئی"

(مجھے نہیں معلوم کہ تو کیا ہے، جو کچھ بھی ہے بس تو ہے)

لیکن وہی انسان جب خدائے تعالیٰ کو آیات یعنی مظاہر وعلامات کے آئینے میں دیکھتا ہے اور اس کی مخصوص نشانیوں میں سے چند ایک کے بارے میں آگاہ ہوجاتا ہے تب وہ "اس" کے بارے میں ایک قسم کی پہچان حاصل کرلیتا ہے۔ اس "پہچاننے" اور "مطلق نہ پہچاننے" میں بہر حال کافی فاصلہ ہے اور یہ پہچاننا اسے اس قابل بنادیتا ہے کہ "اس کے" بارے میں قطعیت کے ساتھ گفتگو کرسکے۔

لہٰذا یوں کہنا چاہئے کہ جو شخص خدائے تعالیٰ کے وجود پر یقین رکھتا ہو وہ خود بخود "اسے کم ازکم ان صفات کے ساتھ پہچانتا ہے جو اس راستہ سے مطابقت رکھتی ہوں جس راستے سے وہ اللہ کے وجود تک پہنچا ہے اور اسکی خدا شناسی میں کم ازکم خالق رب، مدبر، مبداء اور واجب الوجود وغیرہ جیسی صفات شامل ہوتی ہیں۔

اسماء الحسنٰی

قرآن مجید میں خدائے تعالیٰ کے بہت سے نام اور بہت سی صفات آئی ہیں: "وہی خدا ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا۔ وہ بڑا مہربان رحم والا ہے۔ وہی خدا ہے جس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ وہ پاک، بے عیب، امن دینے والا، نگہبان، گرانقدر، پرقدرت، بلند پایہ فرمان روا ہے۔ یہ لوگ جس کو اس کا شریک ٹھہراتے ہیں وہ اس سے پاک ہے وہی خدا تمام چیزوں کا خالق، موجد، صورت بنانے والا ہے اور بہترین نام اسی کے ہیں جو چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اسی کی تسبیح کرتی ہیں اور وہی غالب حکومت والا ہے (سورہ الحشر۔ آیات ۲۲ تا ۲۴)

له الاسماء الحسنیٰ

اللہ کے جو نام اور صفات قرآن مجید میں آئے ہیں ان کا انداز وہی ہے جو اس آیت کے جملے "لہٗ الاسماء الحسنیٰ" (بہترین نام اس کے ہیں) میں بیان ہوا ہے ہر نیکی اور کمال کا ہر جلوہ جس کے بارے میں انسان سوچ سکتا ہے اس کا بلند ترین درجہ خدائے تعالیٰ کے لئے ہے مثلاً قدرت اور مہارت کمال ہے اور خدا ایسا قادر و ماہر ہے جو بلند ترین قدرت رکھتا ہے اور سب کاموں پر قادر ہے۔

---ان اللہ علی کل شی قدیر

بے شک خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ (سورہ العنکبوت ۔ آیت ۲۰)

دانائی بھی کمال ہے اور اللہ تعالیٰ ایسا دانا ہے جو بلند ترین درجے کی دانائی رکھتا ہے وہ ظاہر اور پوشیدہ سے باخبر ہے اور ہر چیز کو جانتا ہے۔

ان اللہ بکل شئی علیم۔

بے شک اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ (سورہ التوبہ ۔ آیت ۱۱۵)

عالم الغیب والشھادۃ

وہ پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے (سورہ الرعد ۔ آیت ۹)

کام کا جاننا بھی کمال ہے اور اللہ تعالیٰ حکیم ہے اور کاموں کو جاننے والا ہے۔

واللہ علیمٌ حکیم۔

اللہ تعالیٰ دانا اور حکیم ہے (سورہ الممتحنہ ۔ آیت ۱۰)

دوسروں پر مہربانی کرنا بھی کمال کی ایک قسم ہے اور الرحمٰن الرحیم یعنی بڑا ہی مہربان اور بہت ہی رحم کرنے والا ہے اور اس سے بھی بڑھ کر وہ ارحم الراحمین یعنی سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔

(سورہ الفاتحہ آیت ۳۔ اور سورہ یوسف ۔ آیت ۶۴)

لہٰذا خدائے تعالیٰ کا نام لینے میں انسان آزاد ہے اور اسے ان بہترین ناموں میں سے کسی نام سے بھی پکار سکتا ہے۔

(اے رسولؐ) کہہ دیجئے کہ تم اللہ کہو یا رحمٰن جو بھی کہو (یکساں ہے) کیونکہ بہترین نام سبھی اس کے ہیں۔'' (سورہ بنی اسرائیل۔آیت ۱۱۰)

''اور سارے بہترین نام اس کے ہیں پس اسے انہیں ناموں سے پکارو اور جو لوگ اسکے ناموں میں کج اندیشی اور کج روی برتتے ہیں ان کی طرف توجہ نہ دو اور وہ بہت جلد اپنے کئے کی سزا پائیں گے۔'' (سورہ اعراف۔آیت ۱۸۰)

خدائے تعالیٰ چونکہ ہر کمال کا بلندترین مرتبہ رکھتا ہے اس لئے وہ خود بخود ہر قسم کے عیب ونقص اوراحتیاج وضرورت سے پاک وبرا ہے۔قرآنی آیات کا کچھ حصہ جو خدائے تعالیٰ کی تعریف میں ہے اسی پاکیزگی اور فضیلت پر انحصار کرتا ہے۔

بے نیاز خدا:

قرآن مجید کی گوناگوں آیات کے مطابق خدائے بزرگ وبرتر ہر قسم کی احتیاج اور ضرورت سے بے نیاز ہے۔قرآن خدا شناسی کے سلسلے میں اس ''بے نیازی'' پر ایک عظیم حقیقت کی شکل میں تکیہ کرتا ہے۔ایک ایسی حقیقت جس کی مدد سے فکر اور عقیدے کی چند ان کج رویوں پر سے پردہ اٹھایا جاسکتا ہے جو خدا کے بارے میں پیدا ہوگئی ہیں۔

وہ اطاعت وعبادت سے بے نیاز ہے:

اور موسیٰ نے (اپنی قوم سے) کہا کہ اگر تم اور روئے زمین کے تمام لوگ مل کر بھی کافر ہوجاؤ تو خدا کو کوئی پرواہ نہیں کیونکہ وہ بے نیاز اور سزاوارحمد ہے (یعنی ہر اس عیب اور نقص سے جو اس کی حمد کے منافی ہو پاک ہے)(سورہ ابراہیم آیت ۸)

خداوند کریم کی بے نیازی پر غور کرنے سے انسان پر یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ہم اس پر ایمان لائیں اور اس کی عبادت واطاعت کریں تو یہ خود ہمارے فائدے کے لئے ہے

ورنہ اسے ان چیزوں کی کوئی ضرورت نہیں

اگر جملۂ کائنات کافر گردند
بر دامن کبریائش ننشیند گرد

(اگر تمام کائنات بھی کافر ہو جائے تو اس کی بڑائی کے دامن پر کوئی گرد نہیں جمتی)

زمان و مکان سے آزاد خدا:

خداوند کریم کے ہر قسم کی حاجت سے بے نیاز ہونے سے یہ بات خود بخود لازم ہو جاتی ہے کہ وہ نہ وقت میں سماتا ہے اور نہ جگہ میں۔ وہ ایسی ہستی ہے جو وقت اور جگہ سے برتر ہے کیونکہ جو ہستی جگہ میں سما جائے وہ خود بخود جگہ کی محتاج ہو جاتی ہے اور جو ہستی وقت میں سما جائے وہ ایک ایسی ہستی ہے جو فقط ان خاص حالات میں حقیقت کا روپ اختیار کرنے کے قابل ہے جو ایک معین وقت میں موجود ہوں، یعنی ایک خاص وقت میں قید ہے۔

خدائے دانا:

کائنات کا پیدا کرنے والا ہر چیز سے واقف ہے۔ ہمارے لئے جہاں ہستی دو حصوں یعنی ''غیب'' اور ''شہادت'' یعنی ظاہر اور غائب میں تقسیم ہو جاتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس کے غیب اور شہادت' پوشیدہ اور ظاہر سب کو جانتا ہے اور اصولاً اسکے لئے کسی غیب کا کوئی وجود نہیں بلکہ اس کے لئے سارا جہان ''شہادت'' یعنی ظاہر ہے۔

عالم الغیب والشھادۃِ الکبیر المتعال

پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا۔ بزرگ و برتر۔'' سورہ رعد۔ آیت ۹)

خدائے تعالیٰ کائنات کی تمام جزئیات سے واقف ہے حتیٰ کہ وہ ہمارے ایک ایک فعل سے آگاہ ہے:

''وہ ہر اس فعل سے آگاہ ہے جو تم سے سرزد ہوتا ہے (سورہ النحل۔ آیت ۱۹)

خدائے قادر وتوانا:

وہ ہر شئی اور ہر کام پر قدرت رکھتا ہے:

”کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے“ (سورہ البقرہ آیت ۲۰)

اس کی قدرت اور تسلط کا یہ عالم ہے کہ جب وہ چاہے کہ کوئی چیز وجود میں آجائے یا کوئی کام انجام پا جائے تو اس کا یہ حکم دینا کافی ہے کہ ”ہوجا“ اور وہ کام فوراً بلا فاصلہ ہوجاتا ہے۔”جس میں وہ کوئی چیز چاہے تو جونہی وہ حکم دیتا ہے کہ ہوجا تو وہ چیز فوراً ہوجاتی ہے۔“ (سورہ یٰسین۔آیت ۸۲)

خدائے تعالیٰ کا ارادہ اور مشیت (قضا وقدر):

جو موجودات دانائی اور توانائی سے بہرہ مند ہوں وہ عموماً جو کچھ چاہیں اسے یا کم ازکم اسکے ایک حصے کو حقیقت کی شکل دے دیتے ہیں یا کم ازکم اسے حقیقت کی شکل دینے کی کوشش کرتے ہیں چنانچہ جب ہم اپنے علم کی بنا پر اپنی خواہش کو حقیقت کی شکل دینے کے قریب پہنچتے ہیں تو کہتے ہیں کہ: ”ہم نے ارادہ کیا ہے کہ فلاں کام انجام دیں“ لہذا ارادہ علم پر مبنی قوی ذہنی فیصلہ ہے جو ہماری خواہش کو موثر بنانے میں مدد دے سکے“ اس دنیا کے کھا کوں موجودات میں جاندار کم ازکم ترقی یافتہ جاندار بھی کم وبیش یہ خصلت رکھتے ہیں کہ جب ان کے دل میں کوئی خواہش پیدا ہوتی ہے تو وہ خوف کے ساتھ اسے حقیقت کی شکل دینے کی کوشش کرتے ہیں۔جن جانداروں کے بارے میں ہمیں اب تک معلومات حاصل ہوئی ہیں ان میں سے انسان کو یہ امتیازات سب سے بڑھ کر حاصل ہے اور سب معلومہ جانداروں سے اس کا دائرہ اختیار اور ارادہ وسیع تر ہے اسی وجہ سے اسکی زندگی میں دوسرے موجودات کی زندگی کے مقابلے میں خالق کے علم وآگاہی کی زیادہ علامات ہیں اس کے باوجود بہت سے ایسے کام جو انسان خود بخود انجام دیتا ہے اور ظاہراً اس کے ارادے کی بنا پر نہیں ہوتے، اس کا گردش خون کا نظام، تنفس کا نظام، ہاضمہ کا نظام اور اس کے جسم کے بڑے اور چھوٹے غدود جو ضروری کیمیائی مواد

پیدا کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ یہ سب اس کے ارادے کے بغیر اپنا اپنا کام انجام دیتے ہیں۔

ان باتوں سے قطع نظر بھی ارادے کی تاثیر کا دائرہ اختیار بہر حال محدود ہے مثلاً اب تک انسانی ارادے نے آسمانی سیاروں کی گردش کے نظام پر اپنا کوئی نقش ثبت نہیں کیا۔ یا مثلاً جو انسان بطن مادر سے جسمانی اور ورثے میں ملنے والی خصوصیات لے کر اس دنیا میں آتا ہے ان خصوصیات پر اس کے علم اور ارادے کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔

لہٰذا انسانی ارادے اور مرضی کی تاثیر بہر حال محدود ہے اسی بنا پر اکثر ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ انسان کوئی کام انجام دینے کا ارادہ کرتا ہے لیکن کامیاب نہیں ہوتا ہے اور بعض ایسے عوامل جو اس کی دانائی اور قدرت کے دائرہ میں نہیں آتے اس کام کے انجام پانے میں سدراہ بن جاتے ہیں۔ لیکن خدائے تعالیٰ جو علیم مطلق اور قادر مطلق ہے جو چاہتا ہے سو کرتا ہے۔ کیونکہ تیرا پروردگار جو چاہتا ہے کرتا ہے۔'' (سورہ ھود۔ آیت ۱۰۷)

کوئی چیز اس کے ارادے کے پورا ہونے میں مانع نہیں ہوسکتی۔'' (سورہ ھود۔ آیت ۳۳)

اور اس کی مرضی سارے جہاں پر حکومت اور تسلط رکھتی ہے (قضا) لیکن دوسروں کی مرضی کو ایسی حکومت اور تسلط حاصل ہو۔

دوسرے خواہ کوئی بھی ہوں اسی چوکھٹے اور اپنی حدود میں حرکت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے کام اور حرکت اور ارادے کے دائرہ اختیار کے طور پر مقرر کردی ہیں۔ (قدرو) (سورہ الطلاق۔ آیت ۳)

اور انسان بھی اسی قاعدہ وکلیہ کے تحت آتا ہے۔ اپنی زندگی کی تعمیر اور اس کے لئے مخصوص سمتوں میں راستوں کا انتخاب کرنے کے لئے اس کی قدرت انہی حدود میں محدود ہے جو اللہ تعالیٰ کی ''قضا وقدر'' نے اس کے لئے مقرر کی ہیں۔ اس نے یہ چاہا ہے کہ انسان اپنی جانچ اور اپنی مرضی کے مطابق اپنے مستقبل کو اچھا یا برا، روشن یا تاریک بنالے۔ علاوہ ازیں ان حدود میں رہتے ہوئے بھی انسان یا کسی اور ہستی کے لئے یہ درست نہیں کہ اپنے آپ کو ان

حدود میں مطلق اور غیر متنازع فرمانروا تصور کرے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اور حدود میں بھی انسان کی مرضی کو بے اثر بنا سکتا ہے۔ کیونکہ اکثر اس کا حکم جاری ہوتا ہے۔ اور کسی فریب خوردہ فرد یا گروہ کی کوششوں کے نتیجوں کو یوں برباد کردیتا ہے کہ کسی کو اس کا وہم وگمان بھی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ایک ایسا عامل ہوتا ہے جو اسی فرد یا گروہ اور دوسرے لوگوں کو خبردار کرتا ہے اور ان پر واضح کردیتا ہے کہ انہیں چاہیے کہ اپنی قدرت اور اختیار کے دائرے میں بھی ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور ارادے کے سایہ کی جانب توجہ رکھیں جو کہ ہر جگہ پھیلا ہوا ہے۔

واضح مثال:

اس قسم کے واقعات کے کئی نمونے قرآن مجید میں نقل کیے گئے ہیں۔ ان میں سورہ قلم کی ۱۷ تا ۳۳ آیات بھی ہیں جو براہ راست اس معنی پر روشنی ڈالتی ہیں۔

”جس طرح ہم نے ایک باغ والوں کا امتحان لیا تھا اسی طرح ان کا امتحان لیا۔ جب انہوں نے قسمیں کھا کھا کر کہا کہ صبح ہوتے ہی ہم اس کا میوہ ضرور توڑ ڈالیں گے اور انشاء اللہ نہ کہا تو یہ لوگ پڑے سو ہی رہے تھے کہ خدا کے حکم سے تیز آندھی نے باغ کو اجاڑ کر رکھ دیا۔ پھر یہ لوگ صبح صبح باہم غل مچانے لگے کہ اگر تم کو توڑنا ہے تو باغ میں سویرے چلے چلو۔ غرض وہ لوگ چلے اور آپس میں چپکے چپکے کہتے جاتے تھے کہ آج یہاں تمہارے پاس کوئی فقیر نہ آنے پائے۔ چنانچہ وہ لوگ روک تھام کے اہتمام کے ساتھ میوہ توڑنے کی ٹھانے ہوئے سویرے ہی جا پہنچے پھر جب اسے اجڑا ہوا دیکھا تو کہنے لگے ہم لوگ تو بھٹک گئے (یہ باغ ہمارا نہیں۔ پھر سوچ کر بولے (بات یہ ہے کہ ہم خدا کی جانب سے (اپنی محنت کے پھل سے فائدہ اٹھانے سے محروم ہوگئے ہیں۔ جو ان میں منصف مزاج تھا کہنے لگا کہ کیوں؟ میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم لوگ خدا کی تسبیح کیوں نہیں کرتے۔ وہ باہم۔ منہ ملامت کرنے لگے۔ آخر سب نے اقرار کیا کہ ہائے افسوس! بے شک ہم خود ہی سرکش تھے امید ہے کہ ہمارا پروردگار ہمیں اس سے بہتر باغ عنایت فرمائے گا ہم اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرتے ہیں۔“